

دردی چھاؤں میرا گاؤں
 اُردو مجموعہ شاعری از ڈاکٹر اسلم رانا
 پروفیسر ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد
 ڈین/پرنسپل اورینٹل کالج (نگران مقالہ پی ایچ ڈی)
 ثوبیہ اسلم
 پی ایچ ڈی (سکالر) شعبہ پنجابی، اورینٹل کالج، لاہور

ASLAM RANA'S URDU ANTHOLOGY

AN INTRODUCTORY STUDY

Ismatullah Zahid, PhD

Dean/Principal Oriental College, Lahore

Sobia Aslam PhD (Scholar)

Department of Punjabi, Oriental College, Lahore

Abstract

Dr. Muhammad Aslam Rana was a teacher of Punjabi language. He served as the chairman of the Department of Punjabi, University Oriental College, Lahore. He was a great scholar and well read personality. Though he was mainly known for his research work and editing of both Punjabi and Urdu books, he also contributed to different Urdu and Punjabi papers. His contributions are highly esteemed. Besides he also had literary flare and composed verse in Punjabi and Urdu. His Urdu anthology namely DARD KI CCHAOWN MAYRA GAOWN was warmly welcomed by the literary circles of Pakistan. This article is an effort to present an introductory study of the said anthology.

Keywords: Aslam, Rana, Dard ki Chawon Mera Gawon, Nawen Nazam

تنقید ایک تخلیقی عمل ہے۔ اس میں ایک فن پارے کی طرح حسن، شگفتگی اور ادبی چاشنی کا ہونا لازمی امر ہے۔ اگر شاعری دکھوں کی تجارت ہے تو پھر تنقید بھی ان دکھوں کے نفع اور نقصان میں برابر کی شریک ہے۔ ایک نقاد اسی تخلیقی عمل سے گزرتا ہے جس سے ایک تخلیق کار کو گزرنے پڑتا ہے۔ شاعری، ماہل یا انسانے کی طرح تنقید بھی عام فہم، عمومی سمجھ بوجھ کے مطابق ہوتی ہے۔ نقاد کا کام تخلیق کو سمجھنا اور پھر اپنے قاری کو سمجھانا ہے۔ ٹی ایس ایلیٹ کے مطابق تنقید ایک انسان کے لیے سانس لینے کی طرح ناگزیر ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایلیٹ کا یہ قول عالمی سچائی کا حامل ہے۔ ادب کی اصناف کا مطالعہ ہو یا پھر شخصیتوں کا، رجحانات کی بات ہو یا میلانات کی، تذکرہ ادبی تحریک کا ہو یا کسی دبستان کا قصہ مختصر کسی بھی طرح کا تنقیدی مطالعہ کیوں نہ ہو تنقید ہمیشہ ایک رہنما ستارے کی طرح کام کرتی ہے۔ یہی تنقید کا وہ اعلیٰ منصب ہے جہاں پر تنقید نظریے کی بنیاد کی صورت میں فلسفے کی ہم پلہ ہو جاتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کچھ بڑے اہم اور اعلیٰ شاعر بہت اچھے تنقید نگار بھی تھے۔ ارسطو نے شعر اور تنقید کی پہلی باضابطہ کتاب 'بوطیریکا' لکھی۔ افلاطون نے ارسطو کی طرح باضابطہ خود تو کوئی تنقید کی کتاب نہیں لکھی لیکن اس نے 'Phaedrus' Republic اور Ion وغیرہ میں ڈرامے اور شاعری کے تخلیقی عمل کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا آج ان کی افادی یا غیر افادی صورت کے قطع نظر یہ بات مانتی پڑتی ہے کہ یہ ایک فلسفی کے خیالات تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تنقید اپنی بہترین صورت میں نظریے میں تبدیل ہو جاتی ہے اور نظریہ فلسفہ کی ہی ایک شکل ہے۔ (۱)

○

اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، شعبہ پنجابی کے ہر دلعزیز استاد، شاعر، نقاد، محقق، نثر نگار، مرتب، تدوین کار، شارح ڈاکٹر اسلم رانا قبطی ولد تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ۱۸/ اگست ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد رانا خیرات اللہ تقسیم کے وقت محکمہ مال میں پٹواری تھے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ خاندان ہجرت کر کے چک نمبر 365/EB، وہاڑی تحصیل بوریوالہ میں آکر آباد ہوا اور ادھر ہی انھیں کچھ زمیں الاٹ ہوئی۔ ڈاکٹر اسلم رانا نے ۱۹۶۱ء میں فاضل پنجابی کا امتحان پاس کیا، پھر ۱۹۷۵ء میں ایم اے پنجابی اور ۱۹۷۸ء میں ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۷۰-۷۱ء میں ان کے کالم

’لاہوریات‘ کے عنوان سے ’نصرت‘ اور ’مساوات‘ میں چھپتے رہے۔ تیرہ سال تک ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن پر کئی ادبی پروگرام کرتے رہے۔ ڈاکٹر اسلم رانا نے اپنی مختصر سی زندگی میں بلغاریہ، جرمنی، ترکی اور ایران کے دورے کئے اور زندگی میں بہت سے آثار چھاپا دیکھے۔ اپنے استاد شریف کجاہی کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت دکھا اٹھائے۔ بچپن ہی سے کرب کے سمندر میں دھکیل دیا گیا۔ اور پھر زندگی اور معاشرے نے فٹ بال کی طرح اپنے پاؤں کے آگے رکھ لیا اور آج تک اس کی ٹاکیاں اور ٹانگے اکھڑ گئے ہیں۔ ابھی تک زمانے کی ٹھوکروں کی زد میں ہوں۔

ڈاکٹر اسلم رانا اپنی زندگی کی بچپن بہاریں دیکھ کر ۲۱ جون ۱۹۹۶ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔ اردو ادب کے علاوہ پنجابی ادب میں اکتیس کتابیں یادگار چھوڑیں جن میں پنجابی شاعری کے دو مجموعے ’تپدی تریل‘ اور ’ساون سفنے‘ اور اردو شاعری کا ایک مجموعہ ’درد کی چھاؤں میرا گاؤں‘ بھی شامل ہے، جب کہ تنقید کی متعدد کتابیں لکھیں مثلاً رنگ سنگ، یار فرید، ادب کہانی، نوک پلک، رمز روایت، پرکھ پریت، سخن خزینے، سرمد سوچاں، سانجھ سویر، حرف حقیقت اور پچل سرمست وغیرہ۔ آپ نے چند ایک پنجابی کتابوں کی ترتیب و تدوین کی جن میں چوںواں پنجابی ادب (بہ اشتراک)، تنقیدی وچار (بہ اشتراک)، ادبی مہکاں (بہ اشتراک)، پچل پھلواڑی (بہ اشتراک)، سسی، ادبیات باہو، مرزا صاحبان، انتخاب کافیاں خوبہ غلام فرید، اوڑک ہوندی کو، اکھیاں دے پر چھاویں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو کتابوں کا ترتیبی و تدوینی کام سرانجام مثلاً آداب الطالین مع رفیق الطلاب والباب ثلاثہ (شیخ محمد چشتی کجراتی) مترجم ڈاکٹر بشیر حسین مرحوم، سوانح حیات حضرت مہر محمد صوبہ، دریاب از ریاض احمد، تنقیدی مسائل از ریاض احمد، تصدیق از ریاض احمد، وہان زخم از ریاض احمد۔ اس کے علاوہ کئی ایک کتب پر نظر ثانی کی اور متعدد سی ڈی ماروں، کانفرنسوں اور مجالس وغیرہ میں شرکت کی۔ (۲)

ڈاکٹر اسلم رانا نے اپنی ملازمت کا آغاز بورڈ آف ریونیو سے کیا جہاں پر ان کی ملاقات پنجابی کے دو مشہور شاعروں اختر کاشمیری اور منظور وزیر آبادی سے ہوئی۔ اس وقت اسلم رانا پنجابی اور اردو میں کہانیاں لکھتے تھے۔ اس طرح ان کا رجحان اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی کی طرف زیادہ ہوتا گیا۔ آخر کار انھوں نے پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج سے ایم۔ اے پنجابی کیا اور وہیں بطور ٹیکچرار ملازمت

اختیار کر لی۔ بعد میں پی ایچ ڈی کی اور شعبہ پنجابی کے مسند نشین بنے۔ تنویر ظہور لکھتے ہیں:

”اور پینٹل کالج توں وکھ کرشن نگر اوہناں دے گھروں کئی ملاقاتاں کیتیاں۔
 ”سانجھاں“ جاری کیتا تاں اوہ ”اچھے برج لہور دے“ ناں تے مستقل کالم
 لکھدے رہے۔ جس وچ لہور وچ ہونیاں پنجابی تقریباں دی کورتج ہندی سی۔
 اوسدی ساویں رپورٹنگ نہیں سی کردے سگوں اوہناں دے کالماں وچ تخلیقی پن
 جھلکدا سی۔ ”سانجھاں“ وچ اوہناں دیاں کہانیاں، شاعری تے دو جیاں
 شخصیتاں دے کیتے اثر و یوز تے ترجمے وی چھپدے رہے۔“ (۳)

اردو میں ڈاکٹر اسلم رانا کی شاعری کی ایک کتاب لاہور سے ۱۹۹۲ء میں بعنوان ”درد کی
 چھاؤں میرا گاؤں“ شائع ہوئی۔ کتاب کے بارے میں ذوالفقار احمد تابش، شریف کجاہی اور
 ڈاکٹر ذیل احمد خاں نے اپنے اپنے رنگ میں تاثرات کا اظہار کیا۔
 ”درد کی چھاؤں میرا گاؤں“ میں کل اسی نظمیوں شامل ہیں جنہیں تین حصوں میں تقسیم کیا گیا
 ہے۔ ذوالفقار احمد تابش ڈاکٹر اسلم رانا کی شاعری بارے لکھتے ہیں:

”میں سمجھتا ہوں کہ بڑی شاعری میں جذبے، احساس، مضمون، موضوع وغیرہ
 الگ الگ خانوں میں نہیں ہوتے۔ سارے جذبے، سارے احساس، سارے
 عمل اور رد عمل جب باہم آمیختہ ہو کر، یکجا ہو کر ایک تخلیق کے عمل سے گزرتے
 ہیں تو اس سے بڑی شاعری وجود میں آتی ہے۔ وہ شاعری جو زندہ رہتی ہے۔
 صدیوں کی دھوپ چھاؤں برداشت کر سکتی ہے۔ اسلم رانا تخلیق کے جس دشت
 کے سفر کو نکلے ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔“ (۴)

مزید لکھتے ہیں کہ اسلم رانا جدید تر شاعروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے اپنے
 آپ کو اظہار کے کسی ایک ذریعے اور سانچے تک محدود نہیں رکھا۔ کھلی ہوا اور فضا میں پروردہ اسلم رانا کا
 ذہن اور قلب بھی کشادہ اور فراخ ہے۔ اس نے کسی زبان، کسی اسلوب اور کسی پیرائے کو اپنے حواس پر
 طاری کرنے کی بجائے انہیں اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ وہ تنقید لکھتے ہیں، کہانیاں لکھتے ہیں اور پنجابی

اردو دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے پاس کہنے کے لیے اتنا کچھ ہے کہ فریاد کی شکل سے شریعت کرنے کے باوجود اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ جوں جوں وقت گزر رہا ہے اسلم رانا کی صلاحیتیں زیادہ نکھر کر سامنے آ رہی ہیں۔ ”ورد کی چھاؤں میرا گاؤں“ ایک ایسے شخص کے احساسات کا اظہار ہے جو ایک طرف تو اپنی دھرتی سے دوری کے ابتلا میں گرفتار ہے تو دوسری طرف اسی داغِ جدائی نے اس کے قلب و جان کو درد آشنا کر رکھا ہے۔ اس مجموعے کی بیشتر نظمیں انھی دو تجربوں کے زیر اثر لکھی گئی ہیں اور انھی دو المیوں کی نوحہ گری کا مؤثر اظہار ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ نظمیں حمدیہ اور نعتیہ ہیں اور کچھ نظمیں اپنے عہد کے حوالے سے اردگرد کے مناظر، تاثرات، احساسات، تجربات اور رد عمل کا نتیجہ ہیں۔

دھرتی سے جدائی اور ہجر کا تجربہ اسلم رانا کی شاعری کے دو بنیادی اور اہم عناصر ہیں؛ پہلا دھرتی سے جدائی کا، دوسرا ایک شخص، ایک چہرے سے جدائی کا۔ اس لحاظ سے یہ شاعری بنیادی طور پر ہجر کی شاعری ہے۔ محبت انسانی زندگی کا ارفع جذبہ ہے تاہم یہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک انسان ہجر آشنا نہ ہو۔ فراق ہی محبت کو ابدیت عطا کرتا ہے ورنہ محبت کی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی۔ (۵)

شریف کجاہی کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر اسلم رانا کی کسی کتاب کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھنے کا خیال تو اک عرصہ سے تھا لیکن بوجہ آج سے پہلے ممکن نہ ہوا۔ اور اب جیسے موصوف نے میری خودکلامی سنتے ہوئے مجھے اپنے اردو کے شعری مجموعے کے لیے فرمائش کر دی ہے جو ایک لحاظ سے میری اپنی ہی تمنا کی صدائے بازگشت ہے۔ ان الفاظ کے لکھنے اور لکھوانے کے پیچھے وہی جذبہ کارفرما ہے۔ میری یہ سطر یہی اصل میں اسی نوعیت کی ہیں اور اسی لیے ان میں نے ڈاکٹر اسلم رانا کی شاعری کی بات نہیں کی۔ نیز قریب باہم پینے کی راہ نکالی ہے اور ان لفظوں کو بھال جانے کے زہر کے تریاق کے طور پر استعمال کیا ہے کہ اسلم رانا جب کبھی پڑھے گا یہ لمحے اور ان لمحوں سے پہلے کے تمام لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے آ کر مجھے ہی اس کے سامنے لے آیا کریں گے۔ یعنی یہ فلیپ قارئین کے لیے نہیں اسلم رانا کے لیے ہے۔ (۶)

اسی طرح ڈاکٹر ذیل احمد خاں لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد اسلم رانا پنجابی زبان و ادب کے معروف استاد، ناقد اور شاعر ہیں۔ ادبیات کے بیشتر اساتذہ اپنے شعبے کے دائرے ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ مگر رانا صاحب کا تجسس انھیں بار بار جدید اردو اور مغربی ادب سے رابطہ قائم کرنے پر مائل کرتا ہے۔

تخلیقی سطح پر بھی وہ پنجابی اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری پر قادر ہیں۔ محمد اسلم رانا کا اردو مجموعہ کلام ”درد کی چھاؤں میرا گاؤں“ جدید اردو نظم کے مرکزی طرز احساس اور نظم نگاری کے اہم نمائندوں کے اسالیب سے ان کی شناسائی کا مظہر ہے۔ اس مجموعہ کی نظموں میں ایک حساس اور باخبر شخصیت سے ہمارا تعارف ہوتا ہے جسے زندگی کی معصومیت اور حیرانی کے کھوجانے کا رنج ہے۔ جو گاؤں (جو فطرت کا نمائندہ ہے) اور شہر (جو تصنع کا مظہر ہے) کے تضاد سے مضطرب ہے۔ جو اداں پرندوں کے نوے سنتا ہے اور جسے بدلتے ہوئے حالات میں اپنی شناخت اور اپنے اعتبار کو قائم رکھنا مشکل مرحلہ محسوس ہو رہا ہے۔ مگر دوسری طرف وہ گرد و پیش کے حقائق سے ذہنی رشتہ قائم کرنے کی سعی میں مصروف ہے اور سماجی سطح کی نا انصافیوں کے خلاف احتجاج بھی کر رہا ہے۔ جیسے ڈاکٹر اسلم رانا اپنے گاؤں کی تعریف اس طرح سے کرتے ہیں:

ریت کے ٹیلوں کے بیچ / اندی کنارے
 چھوٹا سا اک گاؤں / وہیں پہ مجھ کو ڈھونڈ رہی ہے
 درد کی ٹھنڈی چھاؤں / جس کے دامن میں
 کبھی جلے نہ / میرے ننگے پاؤں (درد کی چھاؤں میرا گاؤں)

محمد اسلم رانا کے ہاں خطاب، بیانیہ، تمثالی انداز مختلف سطحوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک طرف گاؤں کا منظر نامہ جہاں راجا، شیشم اور سرس کے درخت اور کھیت ہیں دوسری طرف داستانی اور حکایاتی انداز اور خوابوں کی سی فضا میں۔ اسلم رانا صاحب نے راشد، فیض، مجید امجد، ضیاء جالندھری اور منیر نیازی جیسے اہم شعرا کے شعری اسالیب سے بہت کچھ سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ اپنی انفرادی آواز پیدا کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ (۷)

غرض کہ اسلم رانا ایک محبت بھرا دل رکھنے والا حساس فنکار ہے۔ ایسے فنکار جب دیہات سے بڑے شہروں کی طرف ہجرت کرتے ہیں تو کھیتوں، کھلیا نوں، درختوں، پگڈنڈیوں، میدانوں، بیلوں، دوپہروں، شاموں، گیتوں، قہتہوں اور معصوم دوستیوں کی یادیں عمر بھر ان کا پیچھا کرتی ہیں۔ شہروں کی چکاچوند انھیں مسرور تو ضرور کر لیتی ہے لیکن ان کے خوابوں پر قابض نہیں ہو پاتی۔

ایسے فنکار اپنی دھرتی کے اسیر رہتے ہیں۔ اسلم رانا کی تخلیقات میں دھرتی کے سارے مظاہر اپنی ساری خوب صورتی، تاب ناک اور دل کشی کے ساتھ ہمیں جا بجا نظر آتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو گہری دوستی اور رفاقت انہیں حاصل رہی ہے وہ اب بھی ان کی یادوں کا حصہ ہے۔ خوش کرنے اور دکھ دینے والے خوابوں کا منظر نامہ ہے۔ یذنائیاں ان کی عزیز ترین متاع ہیں۔ پرانے خواب، گزرے ہوئے مناظر اور بیتے ہوئے لمحے یہ جب تخلیق میں ڈھلتے ہیں تو زندہ ہو جاتے ہیں۔ سانس لینے لگتے ہیں، دامن دل کو چھو جاتے ہیں تو درو آشنا بھی کر جاتے ہیں۔ اسلم رانا کی نظموں میں یہ سارے مناظر جیتے جاگتے نظر آتے ہیں لیکن خواب و خیال کی دنیا میں یادیں اور جذبے بڑی شہدے بازی بھی کر جاتے ہیں اور انسان اپنے ہی وطن میں پر دیسی بن جاتا ہے۔ اپنے گاؤں میں مسافر ہو جاتا ہے۔ شاید کسی احساس جرم کے زیر اثر ایسے میں یوں لگتا ہے جیسے سب کچھ روٹھ گیا ہے۔ سب اجنبی ہو گئے ہیں۔ پچھاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ یہ المہاکلمہ یوں توجان لیوا ہوتا ہے مگر شاعر حضرات اس سے بچ نکل آتے ہیں۔

اس مجموعے میں ایک بڑی تعداد ان نظموں کی ہے جنہیں ہجر کی ساعتوں نے تخلیقی عمل سے گزرا ہے۔ ایک چہرہ بار بار ان نظموں کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہے۔ پکھڑنے والے کا چہرہ، اس کے خد و خال، اس کی باتیں، اس کی محبت، اس کے اطوار بار بار طلوع ہوتے ہیں۔ پڑھنے والا بھی ان نظموں کی سادگی اور جذبے کی سچائی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ نظمیں بتاتی ہیں کہ شاعر جذبہ بانی طور پر کتنی شدت کے ساتھ اس شخصیت کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس کے ساتھ گزراے ہوئے وقت کی ایک ساعت اس کے لیے کتنی وقعت رکھتی ہے۔ وہ ان لمحوں کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتا ہے۔ اسی لیے انہیں بار بار سمیٹتا اور سنبھالتا ہے کہ کوئی ایک لمحہ بھی پھسل کر اس کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ شاعر کی اس معصومیت اور وہمانہ پن سے پتا چلتا ہے کہ یہ یادیں اب اس کی متاع حیات ہیں..... ان یادوں کا احیا اس کی حیات کا حاصل ہے۔ ہجر کی نظموں میں رفا دھونا اور واویلا نہیں ہے بلکہ یہ نظمیں بازگشت ہیں گزرے لمحوں اور بیتی یادوں کی۔ شاعر نے اپنے محبوب کے ساتھ گزرے ہر لمحے کو سچائی کے ساتھ یاد کر کے اور اس کی ساری تفصیل کو گہری وابستگی کے ساتھ سوچ کر اسے پھر پانے کی آرزو کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

پھر ذہن کے پردے پر اے چین خرابوں میں

اور دل میں چھپے بیٹھے / بے آب سراہوں میں
 اک چاپ سی کوئی ہے / اک ٹیس سی ابھری ہے
 پھر روح کے خلیوں میں / پھر تن کے مساموں میں
 یادوں کے جزیرے سے آباد ہوئے جیسے / بے چین خرابے سے
 شاداب ہوئے جیسے / آواز کا اک جادو
 پھر من میں جاگا ہے / پھر سونے نختن دل کا
 آہو سا بھاگا ہے (۸)

یادوں کی اجڑی بہتی میں / یہ مسافر کہاں سے آیا ہے
 اپنے ماضی کو ڈھونڈتا ہے شاید / اے مسافر!
 تیرا ماضی تو کب کا چاچکا ہے / بیتے برسوں کے بلے کے نیچے دب کر
 کب کا موت سے ہم آغوش ہو گیا ہے / دیکھو! شکستہ دیواروں
 اور اجڑے آنگن / اور ان بے چہت جھونپڑیوں میں اب کیا رکھا ہے (۹)

اسلم رانا کی بیشتر نظموں میں محبت اور محبوب کا تصور یا تو شخصیت (ذات نہیں) سے منسوب ہے یا کردار سے۔ شخصیت اور کردار میں فرق ہے کہ اول الذکر میں محبوب کی انفرادیت پر توجہ زیادہ رہتی ہے جب کہ کردار محبوب کی نمائندہ حیثیت کو ابھارتا ہے۔ مثلاً غزل (خصوصاً روایتی غزل) میں محبوب کی شخصیت کی بجائے اس کے کردار کو سامنے رکھ کر شعر کہے جاتے تھے۔ اس لیے تمام شعرا کے محبوب ایک ہی سی صفات کے نمائندے نظر آتے ہیں۔ اسلم رانا کے ہاں شخصیت کی تعبیر کی بڑی واضح مثال اس مجموعے کی بیشتر نظموں میں جھلکتی ہے۔ ایک خاص تاریخ کے تعین سے اس شخصیت کا تعین بھی مشکل نہیں رہتا۔ ان کی نظموں میں ایک شبیہ بار بار ابھرتی ہے اور اس کے نقش روشن ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس شخصیت کے لیے پنل، سائل، محرم، اور محمل وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس طرح خواجہ غلام فرید کے ہاں اس طرح کے الفاظ "فخر جہان"، "ان کے

مرشد اور بڑے بھائی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ اس شخصیت کے پھڑ جانے سے پیدا ہونے والا دورِ مہجوری، ازلی ہجر اور ابدی فراق کا وہ معنوی درد ہے جو پاکیزگی کا مظہر ہوتا ہے۔ وہاں تو بس خیال، خواب، ہستی، بستی، روح، جسم، دل اور ذہن ہر آن ایسی سوچوں اور تصورات کے بھنور میں گھرے ہوئے موجود اور ناموجود کے ہر لمحے کو جادواں بنانے کے عمل کی تکمیل مقصود ہوتی ہے:

پھر تیرے شیریں لبوں سے / نغمہ فردوس پھوٹا..... اور
 میری ہستی کی خشک بھتی کو جیسے کہ سیراب کر گیا تھا / میرے بخر سے جذبوں میں جیسے
 جام پر جام بھر گیا تھا / میری آنکھوں سے تیری جلوؤں کی
 جیسے برسات ہو رہی تھی / رات کے ماحول میں ایک اور رات ہو رہی تھی
 جیسے میرے اور تیرے بیچ حائل / بکھری ابدوں کی دوریاں سمٹ کر
 ایک نقطے میں تحلیل ہو رہی تھیں / کو یا وصل کے موتیوں کو پرور رہی تھیں
 پھر کہیں دور سے کجر کی صدائیں آئیں / جس سے لمحہ وصل بے کیف ہو گیا تھا
 جس سے شیرازہ محبت بکھر گیا تھا / واپسی کی اذان کو نجی
 طلوع صبح جفا ہوئی تھی / پھر بھی دیکھو!
 یہ خواب اور خیال سارے / تصور اور حسرتوں کے منظر
 یہی ہیں اب تو لمن کے رستے / سدا تم ان کو سجاتے رہنا
 خوابوں میں میرے آتے رہنا (۱۰)

یادیں انسان کی زندگی کا بہت ہی قیمتی سرمایہ سرمایہ ہوتی ہیں کہ ان کے سہارے گزرے لمحوں کو واپس لایا جاسکتا ہے۔ وہ محبتیں جو روٹھ گئی ہوں انہیں پھر سے منایا جاسکتا ہے۔ یادوں کی بازگشت زندگی کو آسان کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ چہرے جو پھڑ گئے ہیں انہیں پھر سے دل کے آفاق پر روشن کیا جاسکتا ہے۔ یادوں میں ہم ایک طرح سے Relive کر سکتے ہیں۔ یادیں اس اعتبار سے ایک عجیب جادوگری ہیں۔ یہاں سب کچھ پھر اسی طرح زندہ، اصل اور سانس لینا ہوا بن جاتا ہے جس طرح

کہ بہت پہلے تھا۔ یوں انسان کو زندہ رہنے کے لیے ایک سہارا مل جاتا ہے۔ یادیں تکلیف دہ بھی ہوتی ہیں لیکن ان کا یہ مثبت پہلو انسانی زندگی کے لیے کتنا قیمتی ہے۔ اسلم رانا کی کئی نظموں میں انہوں نے اپنے گزرے لمحات کو جس طرح Relive کیا ہے اور جس طرح انہوں نے ان یادوں کو تازہ کیا ہے اور ان کے دکھ سکھ کو محسوس کیا ہے، ایک عجیب تجربہ ہے:

میں اسیر ہوں / اس چمکتے لمحے کا
جس کی اسیری نے کئی بار تیرے ہجر کے بھگتے لمحوں سے
مری آنکھوں کو جل تھل وضو کرائے تھے / پھر جلدی ہی چاند ستارے
ان سے ملنے آئے تھے (۱۱)

آ کے دیکھ تو سہی / چمن میں ہر سو

بے رنگ اجنبی موسموں نے / اداسیوں کی چادر اتار دی ہے
وصل کی امید افزا فصل / جڑ سے اکھاڑ دی ہے (۱۲)

ذوالفقار احمد تابش کے مطابق اسلم رانا تخلیق کے جس دشت کے سفر کو نکلے ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔ ان کا جذبہ سچا اور صادق ہے۔ ان کے پاس یادوں کی ایک گٹھری ہے جس میں چھوٹی بڑی بہت سی رنگ برنگی چیزیں ہیں۔ ان کو دیس پر دیس، محبت اور فراق کے تجربے بھی میسر آئے ہیں۔ ان کے پاس ایک حساس دل ہے۔ انہیں یادوں کو یاد کرنے، انہیں سنبھالنے اور سمیٹنے کا طریقہ بھی آتا ہے۔ انہیں یہ بھی احساس ہے کہ ان یادوں اور ان جذبوں کے ست رنگے دھاکوں سے وہ کیسی کیسی قوس و قزح تخلیق کر سکتے ہیں۔ اس لیے یقیناً امید کی جاسکتی ہے کہ جوں جوں وقت آگے بڑھے گا ان کی آواز زیادہ دل کش ہوگی۔ لب و لہجہ اور نکھرے گا۔ اظہار کے فن پر ان کی گرفت اور توانا ہوگی۔ انہیں اچھی شاعری کے جوہر تو ملے ہیں وقت کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال کا ہنر اور بھی جگمگائے گا۔

اس مجموعے میں کچھ نظمیں ایسی ہیں جو ایک اعتبار سے نقیسی کے قریب ہیں، یہ نظمیں خاص طور پر دل چسپی کی حامل ہیں۔ ان میں ان دیکھی جہتوں میں جھانکنے، دن میں خواب دیکھنے، خیال

آرائی کرنے اور جانے پہچانے رنگوں سے نئے رنگ تخلیق کرنے کی صلاحیت ہے۔ مثلاً:

آج کی رات ہے بھاری رات / تم باہر نہ آنا لو کو

میں نے سنا ہے چاند گرہن ہوگا / اور

اس سے جو آنکھوں والا / چاند کی جانب دیکھے گا

وہ اندھا ہو جائے گا (۱۳)

خوشی کے لمحے / اداس گھڑیوں کی سویلوں پر سوار ہو کر

مراؤ منزل کے پاس آ کر / مراؤ منزل سے دو قدم پر رکے ہوئے ہیں

اداس اور زرد رو سے چٹھی / چنار کی ننگی ٹہنیوں پر خموش بیٹھے

اداس نظروں سے تک رہے ہیں (۱۴)

پیا س کی شدت سے زباں باہر نکل رہی ہے / سانس کی مدھم لے بھی اب تو کھٹک رہی ہے

ایمان و ایقان گم ہوئے ہیں / ہم اپنی پہچان کھو چکے ہیں

ہم میں ہر کوئی یہ سوچتا ہے / کہ پہلے کون گرے گا (۱۵)

ہمارے نیچے / ہر اس آمیز دلدلوں کے عجیب تر سلسلے ہیں

جن سے / ہزاروں حشرات مر نکالے

ہمارے پاؤں کے ننگے تلوؤں کو چاٹتے ہیں / اور اپنے دانتوں سے

پنڈلیوں کی نزار جلدوں کو کاٹتے ہیں / غریب و بے بس ہیں ہم

کہ چاروں طرف سے آتی سبھی بلاؤں کے ظلم پیہم اٹھا رہے ہیں

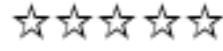
مگر سمجھنے یا سوچنے کی یا کچھ کر گزرنے کی

ہر صلاحیت سے عاری سے ہو گئے ہیں (۱۶)

اس فغیسی کو بعض نظموں میں اسلم رانا نے فرد کی حد سے آگے نکل کر پورے معاشرے یا پوری

نوع انسانی یا تاریخ پر پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر 'سوال'، 'برسوں پہ پھیلی رات'،

’عہد نامہ جدید‘، ’تیسری دنیا کا نوحہ‘، ’اداس پرندوں کا نغمہ‘، ’بے پھل فصلیں‘، ’جلتے سورج کے نیچے‘، اپنی دھرتی کے نام اور ’بختر دعاؤں کا آسیب وغیرہ۔ ان نظموں کا اپنا ایک پورا سلسلہ ہے جو صرف اپنے وسیع ترکیبوں کی وجہ سے ہی نہیں بلکہ اپنی مخصوص نفسیات کی وجہ سے بھی دوسری نظموں سے الگ ہے اور پھر ان کی بعض نظموں میں ماضی قریب کا پرتو بھی جھلکتا ہے لیکن اس طرح کہ جیسے بعض نظموں مثلاً ’فرار‘، ’کون بڑا ہے‘، ’یہ کیا ہوا ہے شہر کو‘ اور ’برسوں پر پھیلی رات‘ وغیرہ میں کہیں کہیں طنز کا وار بڑا بھر پور اور گہرا ہے۔ اصل میں اسلم رانا نے ان گنت خواب دیکھے ہیں اور خواب دیکھ کر وہی خواب کسی دوسرے کو دکھانا آسان کام نہیں ہے۔



حوالہ جات

- (۱) ڈاکٹر سلیم اختر، دیباچہ، تنقیدی اصول تے نظریے، ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی، پنجابی زبان و سچ نظریاتی تنقید، لاہور: مکتبہ کاروان، ۱۹۹۲ء، ص ۳
- (۲) ڈاکٹر عاصمہ قادری، ڈاکٹر اسلم رانا کی شاعری مقالہ ایم اے پنجابی، لاہور: اورینٹل کالج جامعہ پنجاب، ص
- (۳) وڈے لوک و ڈیاں گلاں، تنویر ظہور، لاہور: مسعود کھدر پبلسٹس، جون ۲۰۱۱ء، ص ۱۲۲
- (۴) درد کی چھاؤں میرا گاؤں، فلیپ کور، ذوالفقار احمدنا بش، اکتوبر ۱۹۹۱ء
- (۵) اسلم رانا، درد کی چھاؤں میرا گاؤں، دیباچہ از ذوالفقار احمدنا بش، لاہور: پبلشر اردو بازار، ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۳-۱۳
- (۶) درد کی چھاؤں میرا گاؤں، فلیپ، شریف کجاہی ۱۹۹۲ء- ۷۰
- (۷) درد کی چھاؤں میرا گاؤں، فلیپ، ڈاکٹر اسماعیل احمد خان پروفیسر اردو، لاہور: اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی
- (۸) ڈاکٹر اسلم رانا، درد کی چھاؤں میرا گاؤں، ’بازگشت‘، لاہور: پبلشر پبلی کیشن اردو بازار، ۱۹۹۲ء، ص ۳۰
- (۹) ایضاً، ’مئے دلوں کی جستجو‘، ص ۱۰۲
- (۱۰) ایضاً، ’وصل گزیدہ‘، ص ۹۸
- (۱۱) ایضاً، ’لمس کا جادو‘، ص ۶۰
- (۱۲) ایضاً، ’آ کے دیکھو سہمی‘، ص ۹۳
- (۱۳) ایضاً، ’برسوں پر پھیلی رات‘، ص ۱۲۳
- (۱۴) ایضاً، ’اداس پرندوں کا نغمہ‘، ص ۱۳۶
- (۱۵) ایضاً، ’بے پھل فصلیں‘، ص ۱۱۳
- (۱۶) ایضاً، ’جلتے سورج کے نیچے‘، ص ۱۳۲

